سیرِ وسوانح

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری
حیات اور خدمات کا ایک جائزہ

مولانا محمد شمیم اختر قاسمی

ہندوستان کا قدیم اور مردم خیز صوبہ 'بہار' اپنے ابتدائی مسلم دور سے ہی علما، صوفیا اور مشائخ کا مرکز رہا ہے۔ یہیں کے ایک مشہور صوفی خضر پارہ کی شہرت ہندوستان کے مغربی علاقہ تک پہونچی ہوئی تھی، جن سے بعض روایات کے مطابق حضرت نظام الدین اولیا(م۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء) نے بھی استفادہ کیا۔ سلطان ناصرالدین محمود (۶۳۹ھ/ ۱۲۴۶-۶۶۴ھ/ ۱۲۶۶ء) کے دور میں بہار پورے برصغیر کے علما وصوفیا کا عقیدت گاہ بن گیا۔ یہیں مخدوم شرف الدین یحییٰ منیری کی ولادت ہوئی، جن کی مساعی اور مجتہدانہ بصیرت سے اس خطے میں تصوف کے فردوسی سلسلہ کی خوب اشاعت ہوئی اور بہار کے کونے کونے میں آپ کا فیض پہونچا۔

مختصر حالاتِ زندگی

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بہار کی ریاست پٹنہ کے ایک گاؤں 'منیر' میں جمعہ کے دن ۲۹/ شعبان ۶۶۱ھ/ ۱۲۶۳ء میں پیدا ہوئے۔[۱] آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے عالم اور مشائخ کبار میں سے تھے۔ وہ شام (بیت المقدس) سے نقل مکانی کر کے ہندوستان آئے اور بہار کے ایک گاؤں 'منیر' میں قیام پذیر ہوئے۔[۲] آپ کے نانا شیخ شہاب الدین جگت جوت سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں شمار کیے جاتے تھے۔ کاشغر سے چل کر ہندوستان آئے اور موضع 'جٹھلی' میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان کی ایک بیٹی سے شیخ شرف الدین اور دوسری سے شیخ احمد چرم پوش جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے۔[۳] آپ کی والدہ نے آپ کو کبھی بغیر وضو کے دودھ نہیں پلایا۔[۴] شیخ

شرف الدین کے والد یحییٰ منیری بھی ایک صاحب علم اور صاحب ذوق بزرگ تھے۔ان کو عقیدت وارادت مولانا تقی الدین عربی سے حاصل تھی جو شیخ احمد دمشقی کے خلفا میں سے تھے۔

شیخ کی ابتدائی تعلیم وتربیت گاؤں کے مکتب میں ہوئی۔عربی کی مبتدی کتابیں پڑھنے کے بعد شیخ شرف الدین شیخ ابوتوامہ (م۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء) کے ہمراہ سنارگاؤں چلے گئے۔ وہیں آپ نے درسیات کی اعلیٰ کتابیں، کلام پاک ،تفسیر، حدیث ،فقہ اور علم کلام کے علاوہ علوم عقلی مثلاً منطق وفلسفہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی اور تصوف کی کتابیں بھی ان سے پڑھیں۔۵ بعد فراغتِ تعلیم طویل عرصہ تک شیخ ابوتوامہ کی خدمت میں رہے۔ انہیں کی لڑکی سے آپ کا نکاح ہوا۔۶ جن سے کئی اولادیں ہوئیں ،مگر سوائے ایک کے سب بچے ایام طفولیت میں ہی فوت ہوگیے۔تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے استاذ اور مربی سے وطن جانے کی اجازت چاہی اور اپنے بیٹے ذکی، جو عمر میں بہت چھوٹے تھے،کو ساتھ لیا اور وطن پہنچے۔ یہاں آنے سے پہلے ہی والد ماجد کا انتقال ہوگیا تھا۔اس لیے پہلے والد کی قبر کی زیارت کی ،پھر والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۷

چند مہینے ہی والدہ کی خدمت میں گزارے تھے کہ مرشد کی تلاش میں ۶۹۰ھ/ ۱۲۹۱ء کے اواخر میں اپنے بیٹے ذکی الدین کو والدہ کے حوالے یہ کہہ کر کہ ’’ذکی کو شرف الدین کی جگہ سمجھیے‘‘ دہلی کے سفر پر نکل گیے۔اس سفر میں آپ نے اپنے بھائی شیخ جلیل کو ساتھ کرلیا۔دہلی پہنچ کر متعدد مشائخ کرام کے آستانوں پر حاضر ہوئے۔حضرت نظام الدین اولیا سے بھی ملاقات کی اور ان کی صحبت اختیار کرنا چاہی ،مگر انہوں نے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ ’’ایک شاہین بلند پرواز ہے،لیکن ہمارے جال کی قسمت میں نہیں ہے۔‘‘۸ پھر آپ پانی پت شیخ بوعلی قلندر کی خدمت میں پہونچے ، انہوں نے بھی اس جملے کے ساتھ کہ ’’شیخ است اما مغلوب حال است بہ تربیت دیگرے نمی پرداز‘‘۹ (شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال،دوسروں کی تربیت نہیں کرسکتے۔) واپس کردیا۔ چاروناچار دوبارہ دہلی لوٹ آئے۔اپنے بھائی شیخ جلیل کے اصرار پر شیخ نجیب الدین فردوسی کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ پہلی ہی ملاقات میں ان سے بے حد متاثر ہوئے۔کچھ وقت ان کی صحبت میں

گزارا، پھر ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور شیخ نے یہ کہتے ہوئے کہ ’’برسوں سے تمہارے انتظار میں ایک امانت لیے بیٹھا ہوں جو تمہارے سپرد کرنی ہے‘‘۱۰ خرقہ خلافت، شجرہ اور کچھ نصائح لکھ کر عنایت کیے اور اپنے وطن لوٹ جانے کو کہا۔ ساتھ ہی یہ تاکید بھی کر دی کہ ’’راستہ میں کوئی ناگہانی خبر ملے تو لوٹ کر دہلی نہ آنا۔‘‘ راستہ ہی میں مرشد کے انتقال کی خبر ملی، مگر حسبِ ہدایت انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ منزل بہ منزل کوچ کرتے ہوئے اپنے وطن سے تیس کیلومیٹر ’بہیا‘ کے مقام پر پہونچے جو جنگلی علاقہ ہے۔ وہیں آپ کو مور کی آواز سنائی دی تو دل میں ایک ہوک اٹھی اور صبر وضبط کا یارا نہ رہا۔ جنگل میں داخل ہوئے اور غائب ہو گئے۔ شیخ جلیل اور قافلہ کے لوگوں نے آپ کو بہت تلاش کیا، کہیں پتہ نہ چلا۔ بالآخر وہ لوگ لوٹ کر اپنے وطن چلے آئے اور شیخ کا عنایت کیا ہوا خلافت نامہ، نصیحت نامہ اور شجرہ ان کی والدہ کے حوالے کر دیا۔۱۱

اسی جنگل میں جہاں آدم زاد کا نام ونشان نہ تھا، انہوں نے ۱۲/سال زندگی گزاری اور یادِ الٰہی وذکر وفکر کو اپنا مشغلہ بنائے رکھا۔ سخت مجاہدے کیے اور بڑی ریاضتیں کیں۔ وہاں سے راج گیر کے جنگل میں پہونچے جہاں لوگوں کی نظر آپ پر پڑی۔

نالندہ اور گیا کے جنگلات وکھنڈرات بدھ مذہب کے معتقدین کے لیے بڑی معنویت رکھتے ہیں۔ اغلب ہے کہ وہاں ان کے اور شیخ کے درمیان مناظرے اور مکالمے بھی ہوئے ہوں گے۔ ان معرکوں کے نتیجے میں اشاعتِ اسلام اور قبولِ اسلام کے واقعات کا رونما ہونا بعید نہیں۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

’’اسی صحرا نوردی کے زمانہ میں بعض ہندو جوگیوں سے روحانی معرکے ہوئے جنہوں نے حضرت مخدوم الملک کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔‘‘۱۲

دھیرے دھیرے لوگوں کو معلوم ہونے لگا کہ شیخ شرف الدین خواجہ نجیب الدین فردوسی کے خلیفۂ خاص میں سے ہیں، تو آپ سے علمی وروحانی استفادہ کے لیے ان کی بھیڑ جمع ہونے لگی۔ وہ آپ سے تعلق قائم کرتے، دن بھر صحبت میں رہتے اور شام کو گھر لوٹ آتے۔ اس سلسلے میں مکتوباتِ صدی میں یہ صراحت ملتی ہے:

''راج گیر کو بہیا شریف سے قربت حاصل ہے۔اس لیے رفتہ رفتہ مخدوم جہاں کے راج گیر کے قیام کی خبر پھیل گئی اور لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا،تو آپ نے بدرجۂ مجبوری بہار شریف میں اقامت اختیار کر لی۔اس طرح درس وتدریس اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری ہوا۔''[۱۴۳]

راج گیر کے جنگل میں لوگوں کے پہونچنے کی خبر مولانا نظام الدین کو ہوئی جو خواجہ نظام الدین اولیا کے خلفا میں سے تھے،تو ان کے اندر بھی شیخ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ شیخ سے ملے اور ان سے قلبی و روحانی سلسلہ قائم کیا۔ انہی حضرات کے اصرار پر شیخ شرف الدین ہر ہفتہ جمعہ کے دن شہر میں آنے لگے۔شہر کی جامع مسجد میں نماز پڑھتے ،اس کے بعد کچھ دیر مولانا نظام الدین اور معتقدین کے ساتھ وقت گزارتے ،پھر جنگل میں چلے جاتے۔بعد میں مریدین ومتوسلین نے آپ سے زیادہ صحبت اور فیض حاصل کرنے کے لیے باہم مشورہ سے شہر سے باہر دو چھپر ڈال دیے، جہاں کچھ دیر ٹھہرتے ،پھر جنگل کی طرف نکل جاتے۔اس طرح یہاں آپ کے ٹھہرنے کی مدت دن بہ دن بڑھتی گئی ،کبھی ایک روز تو کبھی اس سے زیادہ یہاں ٹھہرنے لگے۔پھر مولانا نظام الدین نے صوبۂ بہار کے گورنر مجدالملک کی اجازت سے یہاں پر ایک پختہ عمارت بنوادی۔اب تو یہ جگہ ہمیشہ کے لیے مرجعِ خلائق بن گئی۔ان کے انتقال کے بعد یہیں مزار بنایا گیا،جو اب بھی موجود ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بڑی لمبی عمر سے نوازا اور ازدواجی زندگی سے بھی بہت جلد آزاد کر دیا۔وطن لوٹنے سے پہلے ہی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو گیا تھا۔اس لیے آپ نے عمر عزیز کا ایک بڑا اور قیمتی حصہ تربیتِ خلق اور رشد وہدایت میں بسر کیا۔وفات تک یہی شغل رہا۔آپ کے تین اولادیں ہوئیں ۔دولڑکے تو ایام طفولیت ہی میں انتقال کر گیے۔ایک شاہ ذکی الدین بڑے ہوئے اور ان کی تربیت و پرداخت شیخ کی والدہ کے ہاتھوں ہوئی۔لیکن وہ بھی شیخ کی زندگی میں ہی وفات پا گئے۔جب ان کی شادی ہو چکی تھی جس سے ایک لڑکی بھی تھی۔اس کا نکاح سید وحید الدین خواہر زادہ شیخ نجیب الدین

فر دوسی سے ہوا تھا۔۱۴؎

شیخ شرف الدین کے مریدین ومتوسلین کی تعداد بے شمار ہے۔ان کے انتقال کے بعدانہی خلفا ومریدین نے ان کی تعلیمات وارشادات کودوسروں تک پہنچایااور سلسلۂ فردوسیہ کو پورے خطۂ بہار میں پھیلا کراس سلسلہ کو ہندوستان میں زندہ وقائم رکھا، ورنہ شیخ نجیب الدین فردوسی کے بعد یہ ہندوستان میں بہت جلد دم توڑ دیتا اور کوئی اس کا نام لینے والا نہ ہوتا۔

۷۸۲ھ/۱۳۷۰ء بروز جمعرات بوقت عشا علم وعرفان کا یہ سورج ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔اس وقت آپ کی عمر ۱۲۱/سال کی تھی۔آپ نے وصیت کی تھی کہ میرے جنازہ کی نماز وہی شخص پڑھائے جو صحیح النسب، تارک المملکت اور حافظ قراءات سبعہ ہو۔ چنانچہ یہ سعادت مخدوم اشرف جہانگیر رحمہ اللہ کو حاصل ہوئی، جو مخدوم سے حصول بیعت کی نیت سے یہاں آئے تھے، مگر وہ اس وقت پہونچے جب مخدوم عالم جاودانی کو رحلت فرما چکے تھے۔۱۵؎

علوم میں کامل دستگاہ

شیخ شرف الدین نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ اپنے استاذ ومربی شیخ ابوتوامہ کی خدمت میں گزارا۔اس عرصہ میں آپ نے ان سے متعدد علوم وفنون سیکھے اور پڑھے۔ خود بھی فضول چیزوں میں وقت صرف کرنے کے بجائے کتابوں کے مطالعہ میں لگے رہے۔ علوم ظاہری کی شاید ہی کوئی شاخ ایسی ہو جس سے آپ کا تعلق نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے نہ صرف علوم باطنی میں لوگوں کو فیض پہنچایا، بلکہ علوم ظاہری کی بھی بڑے پیمانے پر تفہیم و اشاعت کی اور بالخصوص قرآن وحدیث، فقہ اور فلسفہ تو ان کی گفتگو میں رچے بسے رہتے تھے۔ جیسا کہ سید ضمیر الدین لکھتے ہیں:

”اگر تصوف کے ساتھ آپ کو انتساب نہ ہوتا تو نہایت سنہرے حروف میں آپ کا نام علمائے ظواہر کی فہرست میں درخشاں نظر آتا۔ حدیث، فقہ، اصول تفسیر، کلام، ادب، منطق، فلسفہ، ریاضی، ہیئت، ہندسہ کوئی فن لو، سب پر حاوی تھے، بلکہ اکثر میں پوری دستگاہ اور کامل تبحر تھا“۔۱۶؎

تصنیفی خدمات

صوفیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت کم صوفیا ہیں جنہوں نے تصنیفی میدان میں کوئی اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ان کے مریدین اور عقیدت مندوں نے ان کے ملفوظات وارشادات کو قلم بند کردیا ہے۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ایسے صاحبِ علم صوفی ہیں جو زبان کے دھنی تو تھے ہی، ساتھ ہی قلم کے بھی دھنی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار کثیر التصانیف صوفیا میں ہوتا ہے۔ سیرۃ الشرف میں آپ کی ۱۶ رکتابوں کا ذکر ملتا ہے، ان میں مکتوبات وملفوظات بھی شامل ہیں۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں:

''مکتوبات صدی، مکتوبات دو صدی، مکتوبات بست وہست، اجوبہ، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشادات السالکین، رسالۂ مکیہ، معدن المعانی، لطائف المعانی، مخ المعانی، خوان پر نعمت، تحفۂ غیبی، ملفوظات زادسفر، عقائد شرفی، شرح آداب المریدین''۔ ۱۷

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے رسالہ در طلب طالبان، فوائد مریدین، بحر المعانی، صفر المظفر، گنج لایفنیٰ اور مونس المریدین کا اضافہ کیا ہے۔ ۱۸ سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے بھی انہی کتابوں کے نام درج کیے ہیں۔ ۱۹

مکتوبات کی علمی وادبی حیثیت

ان تمام تصنیفات اور مکتوبات وملفوظات میں جو شہرت وقبولیت اور اہمیت شیخ کے مکتوبات کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کے حصے میں نہ آسکی۔ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی مکتوباتِ صدی کی اہمیت اہل حال وقال کے نزدیک مسلّم ہے۔ یہ مکتوبات ۷۴۷ھ/ ۱۳۴۶ء میں قاضی شمس الدین کے نام لکھے گئے ہیں۔ اس کتاب کی علمی وادبی حیثیت کا تعین کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

''حضرت مخدوم کی زندہ یادگار اور ان کے علوم وکمالات کا آئینہ ان کے مکتوب کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں، بلکہ معارف وحقائق کے پورے

اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔علم کی گہرائی ،تحقیقات کی ندرت ، مشکلات کی عقدہ کشائی،ذاتی تجربات،اذواق صحیحہ ،مجتہدانہ علم ونظر،کتاب وسنت کے صحیح وعمیق فہم، مقام نبوت کی حرمت وعظمت کے بیان،شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدوم کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانی کی نظیر نہیں آتی۔ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت محمدیہ کے محققین وعارفین کے علم وفکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے اور انھوں نے معرفتِ الٰہی،ایمان ویقین،مشاہدہ وادراک،تصفیۂ قلب وتزکیۂ نفس، روح کی لطافت وذکاوت ،اخلاق کی باریکیوں اور نفس انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کی دریافت میں کہاں تک ترقیات وفتوحات حاصل کیں اوران کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائرِ بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی''۔۲۰

اس کے بعد اس کی ادبی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ندوی لکھتے ہیں:

''علوم ومعارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورِقلم ،قوتِ بیانی اور حسنِ انشا کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اوران کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور''ادبِ عالی'' میں شمار کیے جائیں۔غرض اسی باطنی کیفیت ،یقین و مشاہدہ،دعوت کے غلبہ،اہلِ عصر واہلِ تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزلِ مقصود پر پہنچانے کے جذبہ،اخلاص ودردمندی،روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور سب کے ساتھ ذوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدین کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے اورانھوں نے اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کے لیے ایک مستقل اسلوب پیدا کرلیا ہے جوانہیں کے ساتھ مخصوص ہے۔ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور معارف وحقائق ،دعوت واصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوتِ تاثیر میں ان کی نظیر ہوں''۔۲۱

مکتوبات صدی کے علاوہ ایک دوسرے مجموعۂ مکاتیب 'مکتوبات سہ صدی' (جو شیخ مظفر کے سوال کے جواب میں تحریر کیے گیے تھے) کو بھی بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ بھی ہے جو ۷۶۹ھ/ ۱۳۶۷ء کے درمیان قلمبند کیے گیے تھے اور ان کے مکتوب الیہ شیخ کے خلفا و مریدین اور طالبانِ حق و علم ہیں۔

ان مکتوبات کی اہمیت کو نہ صرف بعد کی صدیوں میں تسلیم کیا گیا، بلکہ ان کے معاصر علما و صوفیا نے بھی ان کے مطالعہ اور تفہیم میں اپنا وقت صرف کیا ہے۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کو یہ کہنا پڑا کہ شرف الدین یحییٰ منیری نے ہم لوگوں کے لیے صد سالہ کفر کو ہتھیلی پر رکھ دیا ہے۔ حضرت سید جلال الدین جہاں گشت سے ان کے آخر عمر میں کسی نے پوچھا کہ آپ کا کیا شغل رہتا ہے تو انہوں نے فرمایا: ''شیخ شرف الدین کے مکتوبات کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔'' یہ سن کر ان سے سوال کیا گیا کہ آپ نے ان مکتوبات کو کیسا پایا؟ تو فرمایا: ''ان مکتوبات کے بعض مقامات کو اب میں سمجھا ہوں۔'' [۲۲]

اصلاحی وتجدیدی خدمات

شیخ شرف الدین کو دنیا سے رحلت کیے ہوئے کئی صدیاں گذر گئی ہیں، مگر آپ کی یاد سے آج بھی خطۂ بہار کا کوئی حصہ غافل نہیں۔ آپ کے وجودِ مسعود سے یہ خطہ اسلام کی روشنی سے معمور ہوا۔ بہت سے بھٹکے ہوئے انسان راہ راست پر آئے۔ آپ کے مکتوبات وملفوظات اور تصانیف سے مشتاقانِ علم کو نئی روشنی ملی۔ اسی کے ساتھ آپ نے مسلمانوں کو شرک و بدعات سے نکالنے کی بھی بڑی جدو جہد کی۔ دور دراز مقامات پر اپنے خلفا و مریدین کو مامور فرمایا کہ وہ وہاں اسلام کی اچھی نمائندگی اور صحیح ترجمانی کریں۔ گویا کہ آپ نے اپنے عہد میں اصلاح وتجدید کا جو فریضہ انجام دیا ہے اسے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کی خدمات پر یوں روشنی ڈالی ہے:

''حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انہوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا۔ معرفتِ الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشیں کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشق الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کردی اور سکون و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا اظہار

فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح ان کا یہ بھی عظیم و روشن کارنامہ ہے کہ انہوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا۔ مسلمانوں کے دین وایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں ،ملحدین کی تحریفات اور باطنیت و زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطّوں کا پردہ چاک کیا جو بداعتقاد صوفیوں، جاہل مشائخ اور فلسفہ و باطنیت سے متاثر اشراقیین کی دعوت وتبلیغ سے ہندوستان جیسے دورافتادہ ملک میں (جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں کتاب وسنت سے براہ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے) سحر کا اثر رکھتے تھے۔انہوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد و خیالات پر کاری ضرب لگائی،جس کے پردہ میں پنہاں الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا اور اسلامی عقائد متزلزل ہورہے تھے اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہلِ سنت کے مسلک کی نہایت موثر وطاقت ور وکالت اور تبلیغ کی۔وہ چونکہ حقائق و معارف میں بلندترین پایہ رکھتے تھے ،اشراق اور کشف وشہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے، ریاضات ومجاہدات کی طویل ترین ودشوار ترین کھائیاں طے کر چکے تھے اور اس میدان میں ان کا مرتبہ 'امامت واجتہاد' تک پہنچنا سب کو تسلیم تھا،اس لیے اس بارے میں ان کی تصریحات وتحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحب 'اشراق وکشف' کے لیے آسان نہیں'۔[۲۳]

فردوسی سلسلہ کی نشرواشاعت

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے سلسلۂ فردوسیہ کی نشرواشاعت اس انداز سے کی کہ ہندوستان کے کونے کونے میں اس کے اثرات نمایاں ہونے لگے اور دور دراز سے چل کر لوگ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سلسلۂ فردوسیہ سے جڑ جاتے۔اگر یہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا کہ شیخ یحییٰ منیری کی وجہ سے ہی اس سلسلے کو ہندوستان میں پھلنے پھولنے کا موقع ملا ،ورنہ شیخ نجیب الدین کے انتقال (۶۹۱ھ/۱۲۹۲ء) کے بعد یہ سلسلہ یہیں دم توڑ چکا تھا۔غالباً شیخ نجیب الدین فردوسی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ شیخ منیری کے ذریعہ اس

سلسلہ کو تقویت ملے گی اور انہی کی مساعی سے یہ سلسلہ ہندوستان کے اہم سلسلوں میں اپنی جگہ بنائے گا۔اس لیے انہیں خلافت سے نوازنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوئی، بلکہ ایک طرح سے ان کی آمد کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔

یہ سلسلہ ہندوستان میں کب اور کیسے پہنچا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی اور خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی (م ۵۶۳ھ/ ۱۱۶۸ء) کے خلفائے کبار میں ایک بزرگ ابوالحیات احمد بن عمر مشہور بہ خواجہ نجم الدین کبری تھے، جن کا وطن خوازم تھا۔ ان کے خلفا میں ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین باخرزی تھے۔ ان کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندی مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے اور یہاں سکونت اختیار کی۔ اس طرح ان کے ذریعہ طریقۂ فردوسیہ کی بنیاد پڑی۔ خواجہ بدرالدین سمرقندی کے خلیفۂ خاص خواجہ رکن الدین فردوسی تھے، ان کے برادرزادہ اور خلیفہ خواجہ نجیب الدین فردوسی تھے، جن کے ہاتھ پر شیخ شرف الدین یحییٰ منیری بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ پھر انہوں نے اس کی اشاعت وتوسیع کی۔

شاہانِ دہلی کی عقیدت

جب شیخ منیری کی مقبولیت اور ان کے ہاتھوں سلسلۂ فردوسیہ کی نشرواشاعت کی شہرت دہلی اور اس کے اطراف میں پھیلی تو سلطانِ وقت محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ-۱۳۲۵ء/ ۷۵۲ھ-۱۳۵۱ء) کے کانوں میں بھی یہ خبر پہنچی۔ وہ آپ سے غائبانہ بہت متاثر ہوا اور اپنی عقیدت کا رشتہ قائم کرتے ہوئے اس نے شیخ کی خدمت میں مجد الملک گورنر صوبۂ بہار کی معرفت گراں قدر تحفے تحائف اور خانقاہی نظام کو چلانے کے لیے راجگیر کے قطعات آپ کے حوالے کر دیے۔ ساتھ ہی ایک مصلائے بلغاری بھی آپ کی خدمت میں بھیجا۔ بہ تقاضائے مصلحت شیخ نے سلطان کے تحفے کو قبول کر لیا، مگر وہ اس سے خوش نہ تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی ایسا موقع آئے کہ اس کے بھیجے ہوئے سامان کو واپس کر دیا جائے۔ جب محمد شاہ تغلق کا انتقال ہوگیا اور فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ- ۱۳۵۱ء/

۹۰-۱۳۸۸ء) تختِ سلطانی پر رونق ہوا تو انہوں نے محمد شاہ تغلق کا عنایت کیا ہوا جاگیر نامہ لوٹا دیا۔ فیروز شاہ نے بھی حصول برکت کے لیے آپ کی خدمت کرنی چاہی اور ایک بڑی رقم عنایت کی جس کو آپ نے قبول فرمالیا۔ لیکن اسے بھی غربا و مساکین میں تقسیم کردیا۔[۲۴] معاصر تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد شاہ تغلق نے ہی آپ کی خانقاہ منظّم طریقے سے تعمیر کروائی تھی۔[۲۵]

حکمرانوں کو نصیحت

جیسا کہ عرض کیا گیا، شرف الدین یحییٰ منیری کے تعلقات فیروز شاہ تغلق سے اچھے تھے۔ وہ آپ کی بڑی عزت کرتا تھا، جب کہ اس سے قبل جو حکومت گزری وہ کسی قدر جابرانہ وظالمانہ تھی اور بالخصوص علما وصوفیا کے حق میں تلخ ثابت ہوئی۔ اس کے پیش نظر شیخ نے سلطان کو حدیثِ رسول کی روشنی میں اپنے مکتوب کے ذریعہ ہدایت کی کہ وہ سلطنت میں عدل وانصاف کو فروغ دے، اسلام کی حفاظت اور اس کے فروغ اشاعت پر اپنی توجہ مبذول کرے اور منکرات ومنہیات سے اجتناب کرے۔ چنانچہ وہ اپنے مکتوب میں رقم طراز ہیں:

"جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے، خدا تعالیٰ قیامت کے دن پل صراط کو عبور کرنے میں اس کی مدد کرے گا اور بہشت میں جگہ دے گا اور جو کوئی مظلوم کو دیکھتا ہے اور وہ مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے، لیکن وہ فریاد نہیں سنتا تو قبر کے اندر اس کو آگ کے سو کوڑے مارے جائیں گے۔ جو کوئی مظلوم کی مدد کرتا ہے اس کے لیے تہتر مغفرت لکھی جاتی ہے، ان میں سے ایک تو اس کو دنیا میں مل جاتی ہے، اس سے اس کا کام سدھرتا ہے اور بقیہ بہتّر عقبیٰ میں ملتی ہے...... پیغمبرؐ نے فرمایا: ایک ساعت کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔[۲۶]

اسی طرح امرا، اصحابِ منصب اور اربابِ قدر و منزلت کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امرا، اصحابِ منصب اور اربابِ قدر ومنزلت کے لیے اللہ کے پاس پہنچنے کا

سب سے نزدیک راستہ یہ ہے کہ وہ عاجزوں کی دست گیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کریں۔ چنانچہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ اللہ کے یہاں پہنچنے کی راہیں تو بہت ہیں، لیکن سب سے نزدیک راہ دلوں کو راحت پہنچانا ہے۔ان بزرگ سے یہ کہا گیا کہ جس شہر کے وہ رہنے والے ہیں اس کا بادشاہ شب بیدار ہے، نفل نمازیں بہت پڑھتا ہے، نفل روزے بھی رکھتا ہے، فرمایا: بے چارے نے اپنے کام کو تو کھودیا، لیکن دوسروں کے کام میں لگا ہوا ہے۔لوگوں نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آخر اس بادشاہ کا اپنا کام کیا ہے تو پھر فرمایا کہ اس کا کام تو یہ ہے کہ طرح طرح کے کھانے پکوائے اور بھوکوں کو پیٹ بھر کھلوائے، طرح طرح کے کپڑے سلوائے اور ننگوں کو پہنوائے، اجڑے ہوئے دلوں کو آباد کرے، حاجت مندوں کی دست گیری کرے، نفل نمازیں پڑھنا اور نفل روزے رکھنا تو درویشوں کا کام ہے"۔ ۲۷

شرک وبدعات سے اجتناب

شیخ شرف الدین منیری کی زندگی کا یہ پہلو بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں نے اپنے معاصر صوفیا ومشائخ سے الگ تھلگ زندگی گزاری۔ جو بھی ان کی مجلس میں پہنچا اور جس نے بھی آپ سے تعلق قائم کیا سب کو یکساں حقوق دیے اور اپنی مجلس کے دروازے کسی کے لیے بند نہ کیے۔ یہاں تک کہ کسی کو آدابِ مرشد و مجلس بجالانے کا بھی پابند نہ بنایا اور نہ کسی کو اس کی اجازت دی کہ نہ زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد انہیں قبلہ وکعبہ جانیں اور نہ کسی ولی اور صوفی سے ایسی عقیدت کا اظہار کرے جس سے شرک وکفر کی بو آتی ہو۔چشتی وسہروردی سلسلے کے بعض صوفیا اپنے مریدوں کو ایسی تعلیم دیتے تھے جو شرک سے کسی درجہ کم نہیں، مثلاً قبروں پر سجدہ کرنا، ان کی قبروں پر پھول نچھاور کرنا اور اپنی ضرورت کی تکمیل کے لیے صوفیائے کرام سے استعانت طلب کرنا وغیرہ۔

احکامِ شریعت سے آزادی کارد

اسی طرح آپ نے اس نزاع اور انحرافِ شریعت کے مسئلہ کو بھی بڑے عمدہ

طریقے سے حل کیا جو عام طور سے صوفیا کے یہاں پایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض صوفیا خود کو احکامِ شریعت پر عمل کرنے کا پابند نہیں سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک ان کی پابندی کی حد ایک خاص وقت تک رہتی ہے۔ جب وہ اس منزل سے گزر جاتے ہیں تو اس کے لیے شریعت پر عمل کرنا کوئی ضروری امر نہیں رہ جاتا۔ یہاں تک کہ یہ عقیدہ دن بدن مقبول ہوتا جارہا تھا جس سے گمراہی پھیل رہی تھی۔ چنانچہ شیخ نے اس مسئلہ کا مکمل اور مدلل تصفیہ کیا اور بڑے بلیغ انداز میں لکھا:

''مقصود ریاضت سے یہ ہے کہ ذکرِ حق دل پر غالب ہوجائے اور ذکرِ خداوندی سے دل میں ایسی جلا پیدا ہو کہ ساری ظلماتِ بشریت دور ہوجائیں، تاکہ حقیقت معرفت سالک کو حاصل ہو اور غرض شریعت ورزی سے یہی ہے کہ کعبۂ وصال تک پہنچیں۔ جب وہاں تک رسائی ہوگئی تو زادوراحلہ کی کیا حاجت باقی رہی۔ ان توہمات کے بعد اس قوم کو یہ خلل دماغ میں پیدا ہوجاتا ہے کہ نماز ادا کرنے کو حجاب سمجھنے لگتی ہے۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ہم تو خود ہر وقت مشاہدے میں ہیں۔ مقصود نماز، رکوع وسجود سے تو دل کی غفلت دور ہونا ہے، حضورِ دل پیدا ہونا ہے۔ جب ایک ساعت بھی غفلت نہیں ہوتی اور علمِ ملکوت پیش نظر ہے۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ، یہی بعینہ ابلیس کا واقعہ ہے۔ کمالِ قرب میں وہ ایسا بھولا کہ سجدۂ آدم کی اس نے پروانہ کی اور آدم علیہ السلام کو اپنے سے حقیر سمجھا۔ اس سجدے کو بے سود سمجھ کر باز رہا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ قرآن شریف میں قصۂ ابلیس محض افسانہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسی ہی قوم کی تنبیہ کے لیے ذکر کیا گیا ہے، تاکہ یہ لوگ جان لیں کہ مقرب سے مقرب بھی ہو تو وہ فرماں برداری میں تقصیر نہ کرے اور بزرگوں کا جو یہ خیال ہے کہ شریعت کی راہ میں جینا بھی عین حق طلبی ہے، بالکل بجا و درست ہے۔ اب سنو! اصلی راز جو ابلیس نے اس قوم پر ظاہر نہ کیا اور خود بھی غافل رہا وہ کیا ہے؟ یہ ہے کہ نماز وغیرہ سے غرض صفاتِ بشریت کا دور ہونا اور تقرب خدا حاصل ہونا نہیں ہے۔ بلکہ دوسرا مقصود یہی ہے کہ پانچ وقت کی نماز گویا دریچۂ کمال کے لیے پانچ مسمار ہیں، اگر اس مسمار کا سہارا نہ ہوگا تو سالک اس مقام سے گر جائے گا۔ ممکن ہے کہ یہاں پر یہ شبہ واقع ہو کہ آخر

نماز کے مسمار ہونے کا سبب کیا ہے اور کس مناسبت سے نماز کو مسمار کہا گیا ہے۔ جواب اس کا بزرگوں نے یہ دیا ہے کہ اس کی وجہ انکشاف قوت بشری سے باہر ہے۔ یوں سمجھو کہ یہ ازقسم خاصیت ہے، عقل اس کی دریافت سے عاجز و قاصر ہے۔ مثلاً مقناطیس کو دیکھو کہ لوہے کو کس طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، کسی کو اس کی خبر نہیں کہ ایسا کیوں ہے"۔ ۲۸

آگے مزید فرماتے ہیں:

"یہ بہت بڑی غلطی ہے کہ جو بات انسان کے دائرۂ عقل میں نہ آئے وہ یہ سمجھے کہ قدرت بھی اس سے عاری ہے۔ کیا اس آیتِ شریفہ کی خبر نہیں ہے کہ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا. (ہم نے تم کو بہت تھوڑا علم دیا ہے۔) وہ صاحبانِ کشف و کرامت اسی غلطی میں مبتلا ہوئے۔ ایک بھید اسرار شریعت سے، جو ان پر ظاہر ہوا، وہ سمجھے کہ اس کے سوا دوسرا راز نہیں، جیسا کہ ابلیس نے سمجھا تھا۔ یہ بہت ہی بڑا دھوکا ہے جس میں سالکان اور روندگانِ طریقت پر جاتے ہیں اور ایک سخت گھاٹی ہے جس میں اکثر لوگ ہلاک ہو کر رہ گئے ہیں ...... دیکھو بہت ہوشیار رہنے کا مقام ہے۔ جس سالک کا قافلہ لوٹا گیا وہ اسی بادیہ خون خوار میں لٹا ہے۔ اس ہلاکت شدہ قوم نے شریعت ورزی سے صرف ایک ہی مقصود جانا۔ حالانکہ اس میں دوسرے اسرار بھی پوشیدہ ہیں۔ کیسا عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے کہ انہیں کھلی کھلی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر شریعت ورزی میں دوسرے اسرار نہ ہوتے تو خود حضرت پیغمبر ﷺ کو اتنی نماز کی کیا حاجت تھی کہ پائے مبارک ورم کر جاتے۔ کیا آپ یہ نہیں فرما سکتے تھے کہ نماز امت پر واجب ہے، پیغمبر پر واجب نہیں ...... بہرکیف علما ہوں، مشائخ ہوں، صوفی ہوں، کوئی صاحب ہوں، جن کو واقعی کمال حاصل ہوا وہ جانتے ہیں کہ شریعت کا کوئی رکن بھید سے خالی نہیں اور ہر رکن سے سعادتِ آخرت وابستہ ہے"۔ ۲۹

شریعت پر عمل کرنا ہی انسانیت کی معراج ہے اور اس سے کوئی بری نہیں ہوسکتا۔ شریعت کے جو احکام قرآن وسنت سے ثابت ہیں، بالخصوص نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ وہ کسی مجبوری کے تحت ہلکی تو ہو جاتی ہے، مگر اس کی ادائیگی بعد میں لازم وضروری ہے۔ ایسا نہیں کہ بغیر کسی مجبوری کے نماز معاف ہوگئی یا روزہ کے احکام ساقط ہوگیے۔ چنانچہ

احکامِ شریعت کی ادائیگی کو لازم قرار دیتے ہوئے شیخ لکھتے ہیں:

"اگر بزرگوں کے معاملات پر غور کرو تو سمجھو کہ شریعت کے ساتھ ان کے کیا کیا آداب رہے ہیں۔ مرتے دم بھی آدابِ شریعت سے منھ نہیں موڑتے۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا جب وقتِ آخر ہوا، ضعف کا عالم طاری تھا، حسبِ حکم ایک صاحب وضو کرانے میں مشغول ہوئے، عجب اتفاق کہ وہ صاحب ریشِ مبارک میں خلال کرانا بھول گیے۔ آپ نے خود سے ان کا ہاتھ پکڑا اور اس سنت کو پورا کیا۔ حاضرین نے عرض کی کہ اے میرے دین کے سردار ایسے نازک وقت میں تو اس قدر تکلیف کی اجازت نہیں۔ آپ نے کہا: سچ ہے، مگر یہ بھی تو دیکھو کہ اللہ کس کی بدولت ملا۔ اسی شریعت ورزی نے وہاں تک پہنچایا۔ بیشک جو اہل کمال ہوتے ہیں ان کی یہی روش رہی ہے۔ البتہ اہل غرور تھوڑی بات میں بھول جاتے ہیں، ان کا عجب حال ہے، جس چیز کو نہیں دیکھتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ وہ چیز ہی نہیں ہے۔ کیا نماز کے اسرار کو جاننا کھیل تماشا ہے۔ بڑے بڑے حقیقت آشنا بھی نہیں جانتے کہ پانچ وقت کی نماز کیوں ہوئی؟ تکبیر تحریمہ وقیام وقعود اور دیگر ارکان کیوں مقرر کیے گیے اور یہ ترتیب کیوں رکھی گئی کہ صبح کی نمازِ فرض دو رکعت، ظہر وعصر کی نماز فرض چار چار رکعت، مغرب کی نماز فرض تین رکعت، عشاء کی نماز فرض چار رکعت اور رکوع ایک بار، سجدہ دو بار۔ ہر بات میں ایک بھید اور خاصیت ہے۔ باوجود حصولِ کمال اگر نماز کی پابندی نہ ہوگی تو کوئی کمال وقت پر کام نہ آئے گا۔ بے نمازی صوفی موت کے وقت جب اپنی حالت خراب دیکھتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ ہائے وہ کمال کیا ہوگیا۔ جواب ملتا ہے کہ مسمار نہ تھا جڑ ہل گئی۔ ابلیس کے ساتھ کیا ہوا؟ یہی ہوا کہ سارا کمال ایک نافرمانی کھو بیٹھی۔ یہی وہ گھاٹی ہے جہاں سالک مغرور ہوکر لٹ جاتے ہیں اور اصلی راز ان پر نہیں کھلتا"۔[۳۰]

شریعت، طریقت اور حقیقت کی تطبیق

شریعت وطریقت کے معانی علما وصوفیا کے درمیان الگ الگ رہے ہیں۔ ایک جماعت نے دونوں کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیا ہے، جب کہ دوسری جماعت نے دونوں کو ایک خانے میں رکھا ہے۔ دونوں گروہ افراط وتفریط کے شکار نظر آتے ہیں اور ان

کے معانی ومفاہیم کے ادراک میں غلطی پر ہیں۔شیخ شرف الدین یحیٰ منیری نے بڑی حد تک اس اختلاف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور شریعت وطریقت کی بہترین تفہیم و ترجمانی کی ہے۔ان کے مطابق شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے۔علم حقیقت تین چیزوں پر مشتمل ہے:

۱۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اور وحدانیت کا علم۔

۲۔ خداوند تعالیٰ کی صفات اور اس کے احکام کا علم۔

۳۔ اس کے فعل اور حکمت کا علم۔

یہ چیزیں معلوم ہوجاتی ہیں تو ایک سالک عارف کہلاتا ہے۔مگر حقیقت بغیر شریعت کے زندقہ اور شریعت بغیر حقیقت کے نفاق ہے۔اس کے بعد شیخ لکھتے ہیں:

''جو شریعت کی راہ کی پروانہیں کرتے اور اہل حقیقت بن بیٹھتے ہیں، دعویٰ ان کا یہ ہے کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی تو شریعت کی ضرورت کیا باقی رہی۔نعوذ باللہ من ذالک، یہ مذہب ملحدانہ ہے۔ایسے مذہب واعتقاد پر خدا کی پھٹکار ہو......بغیر شریعت ورزی اہل حقیقت ہونے کا دعویٰ کرنا سراسر زندیقیت ہے اور حقیقت سے بے خبر رہ کر صاحب شریعت بن جانا شانِ منافقانہ ہے۔دراصل دونوں لازم ملزوم ہیں''۔[۳۱]

علما اور صوفیا کے درمیان ہر زمانے میں تصادم رہا ہے۔علما نے صوفیا پر یہ الزام عائد کیا جو کسی حد تک درست بھی تھا کہ وہ دین کی صحیح نمائندگی نہیں کررہے ہیں جس سے شریعتِ اسلامی کی بنیادیں متزلزل ہورہی ہیں۔جب کہ صوفیا علما سے بعد اس لیے اختیار کرتے تھے کہ وہ اسلامی علوم وعقائد کی تفہیم واشاعت میں کاہلی وسستی سے کام لیتے ہیں۔لیکن یہ تصادم بالخصوص شیخ شرف الدین کے یہاں نظر نہیں آتا۔ان کی مجلس میں نہ صرف اصحابِ حال شریک ہوتے، بلکہ اصحابِ قال بھی بڑی تعداد میں آتے تھے۔دونوں نے مل کر اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں اچھی مثالیں قائم کی ہیں۔دونوں نے ایک دوسرے سے بعض معاملات میں بڑی کشادہ دلی سے ربط وضبط رکھا اور مفید لائحہ عمل تیار کیا، جس سے اسلام کی اشاعت اور اسلامی علوم کے فروغ کے راستے ہموار ہوئے ہیں۔[۳۲]

شیخ کے اثرات و فیوض ہندوستان کے طول وعرض میں

شیخ شرف الدین کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی خدمتِ خلق اور انسانیت کو معراج پر پہنچانے کے لیے وقف کردی تھی ۔شیخ نجیب الدین فردوسی کے حلقہ میں داخل ہونے تک انہوں نے اس راہ کی دشواریوں اور پریشانیوں کو برداشت کرنے کے لیے خود کو تیار کیا ۔اس کے بعد جب انہوں نے شیخ کے حکم سے وطن کی طرف مراجعت کی،'بہیہ' کے جنگل میں جس طرح اور جتنی مدت تک روپوش رہے، اس سے بھی یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اس گھنے جنگل میں اپنی زندگی کا اہم حصہ اس لیے گزارا کہ خواہش نفس اور حب دنیا و مال ومتاع سب کچھ ان کے نزدیک بے معنیٰ ہوکر رہ جائے اور ان کا اٹھنا ،بیٹھنا، جینا، مرناسب اسی خالقِ حقیقی کے لیے ہو جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا صانع اور پیدا کرنے والا ہے ۔یہی وہ تعلق باللہ اور نصرتِ خداوندی تھی کہ اللہ نے آپ کو بڑی مقبولیت سے نوازا اور آپ کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ لگی رہی اور غائبانہ بھی آپ کے عقیدت مندوں کی بڑی تعداد ہے جو آپ سے استفادہ کی مشتاق تھی ۔آپ نے مسلک ومشرب کا خیال کیے بغیر ہر ایک کو فیض پہنچانے کی کوشش کی اور آپ کے سینۂ مبارک میں جو نورِ الٰہی چھپا ہوا تھا اس کے عکس جمیل وجلیل سے بے شمار لوگوں نے روحانی وقلبی سرور حاصل کیا۔ ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ،جن میں کم سے کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے ۔۳۳ ان کے علاوہ بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو کسی وجہ سے آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے اور براہ راست استفادہ کرنے سے قاصر رہے تو ان کو آپ نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ تعلیم دی اور ان کی اصلاحِ باطن فرمائی ۔

شیخ کے فیوض و برکات اور اثرات کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جس زمانے میں شیخ نے سلسلۂ فردوسیہ کی بہار میں اشاعت کی اس وقت ہندوستان میں کئی سلسلے اپنے کام میں مصروف تھے جن میں اہم سلسلۂ چشتیہ تھا ،مگر وہ بھی مختلف ذیلی سلسلوں میں بٹ چکا تھا اور ہر شاخ الگ الگ علاقوں مصروف کار تھی ۔اس کے برعکس فردوسی

سلسلہ ہی ایک ایسا سلسلہ تھا جو منظّم تھا اور پورے صوبہٗ بہار میں لوگوں کے قلوب پر اپنا اثر ورسوخ قائم کرکے ان کی دینی و مذہبی روح کو زندہ وتابندہ کررہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ اب بھی بہار میں موجود ہے اوراس سلسلے کے بزرگ بعض علاقوں میں تربیتِ خلق میں مصروف نظر آتے ہیں۔

حوشی ومراجع

۱؎ سیرۃ الشرف، سید ضمیر الدین، خدا بخش اورینٹل لائبریری، پٹنہ ۱۹۹۴ء (جدید ایڈیشن) ص:۴۰
۲؎ سیرۃ الشرف ص:۴۳-۴۴
۳؎ تاریخ دعوت وعزیمت، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو ۲۰۰۰ء، ج:۳ ص:۱۷۹
۴؎ سیرۃ الشرف ص:۴۵
۵؎ بزم صوفیا، سید صباح الدین عبدالرحمن، دارالمصنفین، اعظم گڑھ، ص:۴۰۰
۶؎ سیرۃ الشرف ص:۵۰
۷؎ سیرۃ الشرف ص:۵۳-۵۴
۸؎ مناقب الاصفیا، غلام سرور لاہوری، مطبع نورالآفاق، کلکتہ، ص:۱۳۲، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳، ص۱۸۴
۹؎ مناقب الاصفیا، ص:۱۳۲، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳ ص۱۸۴
۱۰؎ خبارالاخبار، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، (مترجم: غلام معین الدین) فرید بک ڈپو، دہلی، ص:۱۵۲
۱۱؎ سیرۃ الشرف ص:۶۵
۱۲؎ بزم صوفیا، ص:۴۰۸
۱۳؎ مکتوبات صدی ص:۱۶
۱۴؎ سیرۃ الشرف ص:۱۸۵
۱۵؎ سیرۃ الشرف ص:۱۶۶-۱۶۷
۱۶؎ سیرۃ الشرف ص:۱۸۷
۱۷؎ سیرۃ الشرف ص:۱۸

۸۹

۱۸۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳،ص:۲۳۹

۱۹۔ بزم صوفیا،ص:۴۳۳۔۴۵۲

۲۰۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳،ص: ۲۴۰

۲۱۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳،ص:۲۴۴-۲۴۵

۲۲۔ بزم صوفیا،ص:۴۳۵۔

۲۳۔ تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۳،ص:۲۹۸-۲۹۹

۲۴۔ بزم صوفیا،ص:۴۱۰

۲۵۔ سیرت الشرف ص:۱۸۷-۱۸۸

۲۶۔ ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، سید صباح الدین عبدالرحمن مطبوعہ معارف اعظم گڑھ، ۱۹۶۴ء، ص:۱۰۷

۲۷۔ ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، ص: ۱۰۷

۲۸۔ مکتوبات صدی (مکتوب نمبر:۱۷)ص:۱۳۹-۱۴۰

۲۹۔ مکتوبات صدی (مکتوب نمبر:۱۷)ص:۱۴۰-۱۴۲

۳۰۔ مکتوبات صدی (مکتوب نمبر:۱۷)ص:۱۴۲-۱۴۳

۳۱۔ مکتوبات صدی (مکتوب نمبر:۲۶)ص:۱۹۶

۳۲۔ سیرۃ الشرف ص:۱۹۰-۱۹۱

۳۳۔ سیرۃ الشرف ص:۱۹۰-۱۹۱

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: Sammaradnan<talluadnan@yahoo.com>